# آزادیٔ نسواں کا مغربی تصور

مریم ناز
رکن مجلس التفسیر

عورت بنی نوع انسان کی تعمیر کا پہلا مکتب ہے۔ عورت جسکی کوکھ سے پیغمبروں نے جنم لیا، بڑے بڑے موجد اور محقق اسکی کوکھ میں پلے صدیوں سے جسمانی و روحانی طور پر پامال ہوتی رہی ہے۔ حقوق انسانی سے تہی داماں، شرف انسانی سے فارغ بلکہ حق زندگی سے محروم، اور خود مختاری تو کجا خود کو انسان سمجھنا اس کیلئے شجر ممنوعہ تھا۔ اسکی پوری تاریخ مظلومیت کی داستان ہے۔ حد یہ کہ مختلف زمانوں میں خدا کی طرف سے نیکی و شرافت، سیرت و کردار اور عفت و عصمت کی جو تعلیم آتی رہی رفتہ رفتہ اسکا مطلب بھی یہ سمجھا جانے لگا کہ عورت سے تعلق ہی نہ رکھا جائے۔ یونان ہو یا روم، عرب ہو یا عجم، یورپ ہو یا ایشیا ہر جگہ عورت مظلوم رہی۔ اسکی پوری تاریخ مظلومیت کی داستان ہے۔ خود قرآن نے اسکی مظلومیت کی گواہی دی ہے۔

'جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے تو اسکا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹنے لگتا ہے۔ اس خبر کو وہ اس حد تک بُرا سمجھتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنی قوم سے چھپاتا پھرتا ہے (اور سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ) آیا ذلت برداشت کرتے ہوئے اسکو باقی رکھے یا زیر زمین دفن کر دے۔' [1]

مسیحی تہذیب نے عورت کو گناہ کی جڑ گردانا اور تقویٰ اور اخلاق کا تقاضہ سمجھا کہ نکاح ہی نہ کیا جائے۔ اور عورت سے کنارہ کشی اور دوری اختیار کی جائے کیونکہ اس سے ربط و تعلق انسان کو معصیت اور گناہ سے قریب کرتا ہے۔ [2] زمانہ کی رفتار کیساتھ جیسے جیسے یہ تصور بڑھتا گیا عورت سے نفرت و بیزاری میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس سے تعلق کو تقویٰ، اور اس سے احتراز کو خدا ترسی کی دلیل سمجھا گیا۔ ان تصورات کا اثر عورت کی انفرادی و معاشرتی زندگی پر بھی پڑا۔ اسکو سوسائٹی میں عزت، مرتبہ اور بلندی کا وہ مقام نہیں مل سکا جو مرد کو حاصل تھا۔ اسکے وہ حقوق نہیں رہے جو مرد کے تھے۔ اسکی حیثیت ایک ایسے گناہگار اور مجرم کی سی ہو گئی جسے حقارت و ذلت سے دیکھا جاتا ہے۔





## خواتین کیلئے چلائی جانے والی تحریکیں اور انکی حقیقت

مسیحی تہذیب میں عورت کی تذلیل کے نتیجے میں حقوق نسواں اور مساوات مرد و زن جیسی تحریکوں کو مغرب میں پنپنے کا موقع ملا۔ 'آزادیٔ نسواں' کی تحریک برطانیہ میں سب سے پہلے اٹھارویں صدی میں اٹھی۔ اس سلسلے میں پہلی کتاب 1792 میں 'A Vindication of Right of Women' کے عنوان کے تحت لکھی گئی۔ اس کے بعد اس تحریک کو اتنے زور و شور سے اٹھایا گیا کہ بیسویں صدی کے آغاز تک یہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ 1948 میں 'حقوق نسواں کمیشن' کے نام سے اقوام متحدہ کا ایک ذیلی ادارہ قائم کیا گیا۔ جبکہ خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس 1975 میں میکسیکو میں ہوئی اور 'مساوات مرد و زن' اور 'عورت کی ترقی' کیلئے قراردادیں پاس کی گئیں۔ عالمی کانفرنسوں کا انعقاد، 'خواتین کا سال' اور 'حقوق نسواں' کا عالمی دن منانے کے ساتھ ساتھ ایک اہم پیش رفت 1979 میں Convention for Elimination of Discrimination Against Women (CEDAW) کے ذریعے ہوئی۔ اس میں یہ طے پایا کہ عورت اور مرد کو مساوات اور برابری کے مقام پر لانے کیلئے ہر طرح کے امتیاز کو ختم کیا جائے۔ یاد رہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دنیا میں جنسی تمیز ختم کی جائے، آبادی کم کی جائے اور خاندان کے تصور کو ختم کیا جائے۔ اس نئی دنیا میں عورت کا ایک نیا تصور ہے جو ایک گھونسلا (خاندان) بنانے والی نہیں بلکہ ایک آزاد اور خود مختار شخصیت ہے۔ رمز فیلڈ نے ایک مرتبہ ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ جوان عورتیں پرانے ملاؤں کے زیر اثر ہیں اور امریکہ انہیں جلد آزادی دلائے گا۔ جہاں برتی سمیر کا انداز، آزادانہ تعلقات، خاندان اور رشتوں کے تصور کا اختتام جلد حقیقت کا روپ دھاریں گے۔ [3]

ظلم کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ مسیحی تہذیب میں عورت ایک طویل عرصے سے مظلوم چلی آ رہی تھی، [2] جب اسکی مظلومیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو اسکے نتائج بھی انتہائی گھناؤنے روپ میں نمودار ہوئے۔ مغرب میں 'مساوات مرد و زن' کے مسحور کن نعرے کے ساتھ اٹھنے والی 'آزادیٔ نسواں' کی تحریک نے معاشرتی اقدار کو درہم برہم اور خاندانی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس بغاوت کے پیچھے عورت کے اندر اپنی حالت کی اصلاح سے زیادہ مرد کی بندشوں سے آزادی اور اس سے انتقام کا جذبہ کارفرما تھا۔ اسلئے اس نے سب سے پہلے اس نظام کو توڑنا شروع کیا جو اسکو مرد کے تابع اور ماتحت رکھتا تھا۔ کسی مسلک و نظریے کے خلاف ردعمل ہمیشہ اپنی انتہا کو پہنچ کر رہتا ہے۔ چنانچہ مرد کی چیرہ دستی اور ظلم کے خلاف نفرت اور غم و غصہ کے شدید جذبات نے آزادیٔ نسواں کی تحریک کو بھی اپنی حد کے اندر نہیں رہنے دیا اور اسنے عورت کو وہاں پہنچا دیا جہاں عورت، عورت نہیں رہتی بلکہ مرد کا روپ دھار لیتی ہے، حالانکہ یہ ایک مصنوعی لبادہ ہے جو اسنے اوڑھ رکھا ہے۔ دریں اثناء جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے بھی عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لئے دوہری مصیبت سمجھا۔ ایک طرف تو اسکی ہوسناک طبیعت عورت کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی تو دوسری

طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ تصور کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے دونوں مشکلات کا جو عیارانہ حل نکالا اسکا خوبصورت اور معصوم نام "تحریک آزادیٔ نسواں" ہے۔ عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چاردیواری میں قید رہی ہو، اب آزادی کا دور ہے تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصہ لینا چاہیے۔ اب تک تمہیں حکومت و سیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے، اب تم باہر آکر زندگی کی جد و جہد میں برابر کا حصہ لو تو دنیا بھر کے اعزازات اور بلند ترین مناصب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

عورت جس وقت مرد کے پنجہ ستم سے رہائی کیلئے کوشاں تھی اس وقت مغرب میں بڑی تیزی سے صنعتی انقلاب آرہا تھا۔ عورت اپنی فطری جاذبیت کے پیش نظر مرد کیلئے بہت پرکشش حیثیت رکھتی ہے اور اسی حیثیت کے پیش نظر وہ تشہیر کا زبردست ذریعہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ سرمایہ داروں کے شاطر ذہن نے عورت کی جسمانی کشش کو استعمال کرنے کا سوچا۔ 'شہوانیت' ایک ایسا جذبہ ہے جس کو بھڑکا کر طاغوتی قوتیں بہت فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور با آسانی عوام الناس کا استحصال کر سکتی ہیں۔ تھیٹروں میں، رقص گاہوں میں، فلم سازی میں سارے کا سارے دارومدار اسپر قرار پایا کہ خوبصورت عورتوں کی خدمات حاصل کی جائیں اور انکو زیادہ سے زیادہ ہیجان انگیز انداز میں منظر عام پر پیش کیا جائے، کچھ لوگوں نے زینت و آرائش کے نت نئے سامان تیار کئے تاکہ عورتوں کے پیدائشی جذبہ نمائش کی تسکین ہو سکے اور وہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹیں۔ کہیں ملبوسات کے نئے ہیجان انگیز فیشن نکالے گئے اور خوبصورت عورتوں کو مقرر کیا گیا کہ انہیں پہن کر سوسائٹی میں پھریں تاکہ نوجوان مرد کثرت سے انکی طرف راغب ہوں اور نوجوان لڑکیوں میں ان ملبوسات کے پہننے کا شوق پیدا ہو اور اس طرح سے موجد لباس کی تجارت فروغ پائے۔ کچھ لوگوں نے سفلی جذبات کو بھڑکانے والی تصاویر و مضامین کی اشاعت کو روپیہ کھینچنے کا ذریعہ بنایا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مشکل ہی سے تجارت کا کوئی شعبہ ایسا باقی ہوگا جس میں شہوانیت کا عنصر شامل نہ ہو۔ کسی بھی کاروباری اشتہار کو دیکھ لیجئے، عورت کی تصویر اسکا جزو لاینفک ہوگی۔ یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہوا جب عورت کو گھر کی چاردیواری سے باہر لایا گیا۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں عورت کی جد و جہد آزادی کی کامیابی کے پیچھے آپ کو مغربی و صیہونی سرمایہ داروں کا مفاد واضح طور پر نظر آئے گا۔ مغرب میں آنے والے اس صنعتی انقلاب نے عورت کے سامنے گھر سے باہر کیلئے ایک ایسا نقشہ پیش کیا جو خانگی زندگی سے کہیں زیادہ پرکشش تھا اور جسکے ذریعے سے وہ مرد کی غلامی سے آزاد ہو سکتی تھی۔ دل فریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا، اسے دفتروں میں کلرکی عطا کی گئی، اجنبی مردوں کی پرائیویٹ سیکرٹری کا منصب بخشا گیا، اسے تجارت چمکانے کیلئے سیلز گرل اور ماڈل گرل بننے کا شرف دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ عورت جسے عفت، آبرو اور حیا سے سجایا گیا ہے، ایک 'شوپیس' اور مرد کی تھکن دور کرنے کیلئے تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔ میڈیا نے یہ عجیب و غریب فلسفہ ذہنوں پر مسلط کر دیا کہ عورت اگر اپنے گھر میں شوہر، ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد کیلئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے لیکن وہی عورت چند ٹکوں کی خاطر اجنبی مردوں کیلئے ہوٹلوں میں ککنگ کرے، انکے کمروں کی صفائی





کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں انکی میزبانی کرے، دکانوں پر اپنی مسکراہٹ سے گاہکوں کو متوجہ کرے، دفاتر میں اپنے ساتھیوں اور افسروں کی ناز برداریاں کرے تو یہ 'آزادی' اور 'اعزاز' ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنے آپ کی نظر جہاں ساز کے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

کہا تو یہ گیا کہ عورت کو آزادی دے کر سیاست و حکومت کے ایوان اس پر کھول دیئے گئے لیکن ذرا جائزہ تو لے کر دیکھئے کہ ابتک مغربی ممالک کی کتنی خواتین صدر یا وزیر اعظم بن گئیں؟ کتنی خواتین کو جج بنایا گیا؟ کتنی عورتوں کو دوسرے بلند مناصب عطا کئے گئے؟ اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو ایسی خواتین کا تناسب بمشکل ایک لاکھ میں چند ہو گا۔ ان گنی چنی خواتین کو کچھ مناصب دینے کے نام پر باقی لاکھوں عورتوں کو جس بیدردی کے ساتھ سڑکوں اور بازاروں میں لایا گیا وہ آزادیٔ نسواں کے فراڈ کا المناک ترین پہلو ہے۔ یہ درست ہے کہ آسمانی ہدایت کی ضیاء پاشیوں سے محروم معاشروں میں ہمیشہ سے عورت کا کسی نہ کسی انداز میں استحصال ہوتا چلا آیا ہے مگر گزشتہ صدی کے دوران مغرب میں اٹھنے والی آزادیٔ نسواں کی تحریک نے آزادی کے خوشنما نعرے کی آڑ میں عورت کے استحصال اور اسکی اہانت کا جو بدترین سامان کیا ہے پوری انسانی تاریخ اسکی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ چنانچہ عورت جو ہمارے معاشرے میں بھی خاندانی نظام کی آبرو سمجھی جاتی تھی اور بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی تقدس کا ایک نشان اور اپنے پرائے سب کے نزدیک قابل احترام سمجھی جاتی تھی، اپنا پاکیزہ تشخص کھوا کر محض ایک ذریعہ تشہیر بن کر رہ گئی اور نمود و نمائش کے پست ترین درجے تک گر کر بھی اس خود فریبی کا شکار ہے کہ وہ آزاد ہے، مرد کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی ہے اور اپنے اصل مقام کے حصول کی جانب محو سفر ہے۔

## مساوات مرد و زن

نظام کائنات کہ خالق کائنات نے اس اصول پر بنایا ہے کہ اسکے تمام اجزاء ایک دوسرے کیلئے محتاج اور محتاج الیہ بن گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک، کسی پہلو سے ناقص اور کسی پہلو سے مستغنی ہے۔ ہر ایک کسی اعتبار سے مطلوب اور کسی اعتبار سے طالب ہے اور اپنی باہمی سازگاری اور تعاون سے یہ اپنے اپنے خلا کو بھرتے اور اپنے اپنے نقص کی تلافی کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق نہیں کہ اس نظام کائنات میں جو مقام اسکا ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے یا جو مقصد اسکے ذریعے پورا ہو رہا ہے وہ کسی درجے میں اور کسی نوعیت سے اس مقصد سے ارفع ہے جو دوسرے کے ذریعے پورا ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو مختلف جنسوں اور مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے انکے الگ الگ وظائف مقرر کئے ہیں۔ ان ہی فرائض کی انجام دہی کا مجموعی نام تمدن یا نظام عالم ہے۔ جب کوئی گروہ اپنے طبعی فرائض کو ادا کرنے میں کوتاہی برتتا ہے تو نظام تمدن کی بنیادیں ہلنے لگتی ہیں۔ انسان

کی فلاح و خسران درستی فکر و عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایسے تمام نظریات جاہلانہ ہیں جو عورت کو محض عورت ہونے کی وجہ سے ذلیل تصور کر کے انسانیت کی بلند سطح سے نیچے پھینک دیتے ہیں اور مرد کو محض اسلئے عرش بریں کا حقدار خیال کرتے ہیں کہ وہ مرد ہے۔ یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ عزت و ذلت اور سربلندی و نگوں بختی کا معیار تقویٰ اور سیرت و اخلاق ہے۔ جو اس کسوٹی پر جتنا کھرا ثابت ہوگا اتنا ہی خدا کی نگاہ میں قابل قدر اور مستحق اکرام ہوگا۔

'جس مرد و عورت نے بھی اچھا کام کیا اگر وہ مومن ہے تو ہم اسکو ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ اور انکے بہتر اعمال کا جنہیں وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔ [5]

بشریت اور حقوق بشریت کے لحاظ سے مرد و عورت میں مساوات ایک فطری اور طبعی چیز ہے لیکن ذات و ماہیت، وظیفہ زندگی اور شاہراہ عمل پر مساوات یا مکمل مساوات صرف ایک خیالی چیز ہے جسکا خارجی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہوئی کہ اس نے ہادیٔ برحق ﷺ کے ذریعے ہمیں وہ بہترین ضابطہ حیات اور نظام اجتماعی عطا فرمایا جو ہر اعتبار سے اعلیٰ و عمدہ، معتدل و متوازن اور عادلانہ و منصفانہ ہے۔ اسلام مرد اور عورت دونوں کو یکساں مقام دیتا ہے۔ دونوں برابر ہیں مگر دائرہ عمل مختلف ہیں تا کہ وہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے بغیر بھرپور کامیابی حاصل کریں۔ تقسیم کار کے سلسلے میں اسلام نے عورت و مرد کی فطرت کا بہت ہی وقیع نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ فطرت انسانی کے تمام پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مرد و زن کے مابین حقوق و فرائض کا جو توازن اور عدل اسلام نے عطا کیا ہے کوئی دوسرا نظام اسکی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اسلام نے چونکہ فطرت بشری کی ضرورتوں اور کمزوریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے اصول تشکیل دیئے ہیں اسلئے جہاں پر عورت و مرد میں مساوات فطرت و طبیعت کے مطابق ہے وہاں تو اس نے مساوات لازمی قرار دی ہے لیکن جہاں دونوں میں تفاوت ہونا چاہیے وہاں فرق کا قائل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ۔ عورت مرد بن سکتی ہے اور نہ مرد کو عورت کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ صلاحیتوں اور قوتوں کے مالک ہیں۔ ایک ہی مقام، ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی ماحول میں پرورش پانے والے مرد اور عورت طبعی (Biologically) اور نفسیاتی طور پر باہم اسقدر مختلف ہوتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے دو ہم جنس افراد اتنے مختلف نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر لیمبر وس گنا اپنی کتاب 'روح نسوانیت' میں تحریر کرتی ہیں:

'عورتیں اور مرد صرف طول و قامت، ہڈیوں کی ساخت اور عضلاتی بناوٹ کے اعتبار سے ہی مختلف نہیں بلکہ اس اعتبار سے مختلف ہیں کہ وہ ہوا اور غذا کی ایک ہی مقدار جذب نہیں کرتے، انکے امراض کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، انکے ذہنی اور اخلاقی رجحانات میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ [6]

آگے چل کر وہ لکھتی ہیں:

'ترقی اور ارتقاء صرف اسی طرح ممکن ہے کہ مردوں اور عورتوں کے معاشرتی حقوق و فرائض کا تعین





کرنے میں ان کے فروق اور اختلافات کو مد نظر رکھا جائے۔ [7]

دونوں کی جسمانی ساخت، پیدائش سے موت تک پیش طاری ہونے والے حالات اور دونوں کے جذبات و احساسات صاف بتاتے ہیں کہ انکی تخلیق بالکل جداگانہ ڈھنگ پر ہوئی ہے اور قدرت ان سے دو مختلف نوعیت کے کام لینا چاہتی ہے۔ اسلام نے دونوں کی نفسیات، طبعی رجحانات اور فکری و عملی قوتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔ اسلئے شاہراہ زندگی پر دونوں کا راہ عمل متعین کرنے میں بھی وہ پوری طرح کامیاب ہے۔ مرد پر اقتصادیات و سیاسیات اور ان سے متعلقہ امور لازم کئے گئے ہیں اور خواتین سے خانگی و خاندانی نظام اور بچوں کی تربیت و پرورش سے متعلقہ امور کی کامیاب تکمیل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اگر مرد و خواتین اپنے اس کردار کی ادائیگی میں کسی کوتاہی سے کام لیں گے تو معاشرے کو شکست و ریخت کا شکار ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جدید فکر کی غلط اندیشی اور سرمایہ دار طبقے کے مفادات نے دونوں کو ایک ہی میدان میں گھسیٹ لیا ہے اور ایک ہی میدان میں ترقی کے مواقع بھی فراہم کئے ہیں۔ حالانکہ انکے پاس اس بات کا کوئی طبعی و نفسیاتی ثبوت نہیں ہے کہ عورت اور مرد کی صلاحیتیں اور قوتیں ایک نوعیت کی ہیں اور جو کام مرد سر انجام دے سکتا ہے وہ عورت بھی سر انجام دے سکتی ہے۔ مرد کی فاعلیت، فعالیت، تاثیر اور غلبہ کی صلاحیتوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو انفعالیت، قبولیت، تاثیر اور مغلوبیت کی استعداد بخشی ہے۔ صبر و قربانی، تسلیم و رضا، نرم جذبات، الفت و محبت یہ سارے خوبصورت الفاظ عورت کا خاصہ ہیں۔ ہم عورت کو مرد کے شانہ بشانہ لانے پر تلے بیٹھے ہیں حالانکہ عورت اور مرد کی جنس اور ساخت مختلف ہیں، انکے جسم کا ہر ہر cell مختلف ہے۔ عورتیں مردوں کی سطح پر آ کر انکی طرح کا کام نہیں کر سکتیں۔ فطرت نے جسے نسل انسانی کی بقاء اور ارتقاء کیلئے پیدا کیا ہے۔ اسے صبر و تحمل بخشا ہے، اسکے مزاج میں نرمی پیدا کی ہے، اسکو اس چیز سے نوازا ہے جسے مامتا کہتے ہیں۔ وہ ایسی نہ ہوتی تو ہم اور آپ پل کر جیتے جوان نہ ہو سکتے۔ یہ کام جسکے ذمے ڈالا گیا ہے اس کیلئے وہ کام موزوں نہیں ہیں جو سختی اور سخت مزاجی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ وہ کام اسی کیلئے موزوں ہیں جسے باپ بنا کر کسب معاش اور حفاظت کی ذمہ داری دی گئی اور ان پیچیدہ اور نازک فرائض سے آزاد رکھا گیا جو ماں بننے کا لازمہ ہیں۔ مرد بھی کہاں پیدائش کے عمل سے گزر سکتے ہیں۔ مردوں میں اتنا صبر کہاں کہ بچے، چکی، گھریلو امور، تعلیم و تربیت اور خاندانی معاملات کے مسائل سے بیک وقت نبرد آزما ہو سکیں۔ یہ صرف عورت ہی کا کام ہے جو صبر و برداشت، ساخت اور بناوٹ کے اعتبار سے یہ کام کر سکتی ہے۔ اگر آپ اس تقسیم کو مٹانا چاہتے ہیں تو پھر یہ فیصلہ کر لیجئے کہ اب دنیا کو ماؤں کی ضرورت نہیں۔ تھوڑی ہی مدت نہ گزرے گی کہ انسان ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے بغیر ہی ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ فیصلہ بھی آپ نہیں کرتے اور اس تقسیم کو بھی مٹانا چاہتے ہیں تو یہ عورت کیساتھ بہت بڑی ناانصافی ہے کہ وہ اس پورے بوجھ کو بھی اٹھائے جو فطرت نے ماں بننے کے سلسلے میں اس پر ڈالا ہے اور جس میں مرد ایک رتی برابر بھی اسکے ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا اور پھر وہ مرد کیساتھ آ کر سیاست، تجارت، صنعت و حرفت اور لڑائی جھگڑائی کے کاموں میں بھی برابر کا حصہ لے۔

مرد انسانیت کے ایک حصے کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسرے حصے کی ترجمانی عورت کرتی ہے۔ خدا کیلئے ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے! انسانیت کی خدمت میں آدھا حصہ تو وہ ہے جسے پورے کا پورا عورت سنبھالتی ہے، کوئی مرد اس میں ذرہ برابر بھی اسکا بوجھ نہیں بٹا سکتا۔ پھر آپ کہتے ہیں کہ باقی آدھے میں سے مزید آدھا بار عورت اٹھائے۔ گویا تین چوتھائی عورت کے ذمے پڑا اور مرد کے ذمے ایک بٹا چار۔ یہ کیسا انصاف ہے؟؟؟؟ عورت بے چاری اس ظلم کو خوشی خوشی برداشت کرنے بلکہ لڑ جھگڑ کر اپنے اوپر لینے کیلئے اسوجہ سے مجبور ہوئی کہ آپ نے عورت ہوتے ہوئے، عورت کی جگہ کام کرتے ہوئے اسے عزت دینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان ساری خدمات کو گھٹیا درجہ دیا جو وہ خاندان کیلئے انجام دیتی تھی اور جنکی انجام دہی آپ کی سیاست، معیشت اور دفاع کیلئے بلاواسطہ مفید نہ تھی۔ مجبوراً وہ بیچاری عزت اور قدر و منزلت کی تلاش میں ان کاموں کیلئے آمادہ ہوئی جو مرد کے کرنے کے تھے کیونکہ مرد بنے بغیر اور مردانہ خدمات انجام دیئے بغیر آپ اسے عزت دینے کو تیار نہ تھے۔ اسلام نے اس پر یہ مہربانی کی تھی کہ عورت رہتے ہوئے اور خانگی خدمات سر انجام دیتے ہوئے اسے مرد کے برابر پوری عزت دی بلکہ ماں ہونے کی حیثیت سے اسکا درجہ مرد سے بڑھا کر دیا ہے۔ اب آپ کہتے ہیں کہ یہ چیز ترقی میں حائل ہے۔ آپ کو اصرار ہے کہ عورت ماں بھی بنے اور مجسٹریٹ بھی، اور پھر ناچ گا کر، فیشن شوز میں شرکت کرکے مردوں کا دل بہلانے کیلئے بھی وقت نکالے۔ آپ اس پر اتنا بوجھ ڈال دیتے ہیں کہ وہ کسی خدمت کو بھی بخوبی سرانجام نہیں دے سکتی۔ آپ اسے وہ کام دیتے ہیں جن کیلئے وہ پیدا ہی نہیں کی گئی، آپ اسے اس میدان میں کھینچ لاتے ہیں جہاں وہ مرد کا مقابلہ نہیں کرسکتی، جہاں مرد اس سے آگے ہی رہے گا۔ جہاں عورت کو اگر داد بھی ملے گی تو نسوانیت کی رعایت سے ملے گی یا پھر کمال کی نہیں بلکہ جمال کی ملے گی۔ یہ آپکے نزدیک مساوات مرد وزن ہے اور 'ترقی' کیلئے ضروری ہے۔ حقیقتاً مغربی عورت مظلوم ترین عورت کہلائی جاسکتی ہے جو مساوات مرد وزن کے چکر میں بری طرح پس رہی ہے۔ مغرب نے عورت کو بحیثیت عورت کوئی عزت نہیں دی۔ وہاں عملاً عورت دوسرے درجے کی شہری ہے۔ وہ مردوں کے برابر اتنے ہی گھنٹے کام کرتی ہے جتنا کہ ایک مرد مگر پھر بھی نصف معاوضہ پاتی ہے۔ معاشرے میں عورت وہ سب کام کرتی ہے جو مرد کرتا ہے لیکن عملاً ہوتا یہ ہے کہ عورت مرد کی طرح کماتی بھی ہے اور تولید، بچوں کی تربیت اور خاندان کو جوڑے رکھنے جیسے انتہائی تھکا دینے والے تکلیف دہ کام بھی کرتی ہے جن میں مرد کبھی بھی عورت کی طرح شیئر نہیں کرسکتا۔ یہاں انہیں مساوات نظر نہیں آتی؟

ان باتوں کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ خواتین گھر سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ خواتین گھر سے باہر نکل سکتی ہیں خواہ یہ نکلنا حصول تعلیم کیلئے ہو یا ملازمت و کاروبار کیلئے۔ وہ ملازمت اور کاروبار کرسکتی ہیں لیکن مردوں کی بیروزگاری کی قیمت پر نہیں۔ اگر خواتین کو روزگار کے ہر میدان میں 50% نمائندگی دے دی جائے تو مردوں کی بیروزگاری میں ہوشربا اضافہ ہوگا۔ اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل مرد سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، جہاں کوئی کلریکل جاب نکلتی ہے تو اس کیلئے ہزاروں ماسٹرز ڈگری ہولڈرز درخواستیں پیش کردیتے ہیں۔ پہلے مردوں کی نصف





آبادی کو ملکی تعمیر و ترقی میں لگا دیجئے پھر نصف بہتر کے بارے میں سوچئے۔ یہاں یہ بتاتی چلوں کہ اسلام معاش کی ذمہ داری ایک دن کیلئے بھی عورت پر نہیں ڈالتا اور اسلامی نظام میں عورت کا کوئی نہ کوئی کفیل ضرور ہوتا ہے۔ وہ باپ ہو، بیٹا ہو، بھائی ہو، خاوند ہو یا کوئی اور۔ اور اگر کوئی کمانے والا نہ بھی ہو تو حکومت وقت اس عورت کی تمام جائز مالی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہے۔ نیز اسلام کے نظام عدل کے ہوتے ہوئے کوئی اس کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا اور وہ ہر طرح سے محفوظ ہے۔

## حوالہ جات

01۔ النحل، 57
02۔ پردہ، مولانا مودودی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ E-13 شاہ عالم مارکیٹ لاہور، اگست 1996، صفحہ 24-26
03۔ ذرتج، ہجری سکالر وقت روزہ ندائے خلافت (نئی خلافت)، مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور، مدیر مسئول حافظ عاکف سعید امیر تنظیم اسلامی پاکستان، (http://www.tanzeem.org)، 3 اگست 2005، صفحہ 13
04۔ پردہ، صفحہ 26-27
05۔ النحل، 97
06۔ عورت اسلامی معاشرے میں، مولانا سید جلال الدین، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ E-13 شاہ عالم مارکیٹ لاہور، 1979، صفحہ 40
07۔ ایضاً، صفحہ 42

..............................

# حکومت اسلامی قرآن وسنت کی روشنی میں

پروفیسر غلام مہدی
چیئرمین شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

## اسلامی حکومت کے اہداف

آیئے سب سے پہلے ہم موضوع پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں تاکہ اس پر کی جانے والی بحث کو سمجھنے میں آسانی ہو میرا یہ موضوع کل تین الفاظ پر مشتمل ہے اسلام حکومت اور اہداف پہلا لفظ اسلام ہے جو سلم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں امن وسلامتی، جس کے عملی اظہار کی درج ذیل صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ۱۔ ظاہری اور باطنی برائیوں سے پاک صحیح وسالم ہونا ۲۔ باہمی تعلقات میں اطاعت ورہبری کا عملی مظاہرہ

## اسلام دین

قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ان جملہ مفاہیم کے لیئے خالق فطرت کی طرف سے مقرر کردہ نہایت ہی جامع ایک خوب صورت لفظ ملتا ہے وہ ہے دین چنانچہ ارشاد فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام اللہ کے نزدیک دین یعنی ایسا ضابطہ حیات جو اپنے دامن میں انسان کی موجودہ زندگی اور آنے والی زندگی دونوں کے مسائل کا حل رکھتا ہو اس جامع لفظ کو جس جملے میں استعمال کیا ہے اس کی عبارت کی سادگی اور فصاحت وبلاغت کا کیا کہنا خالق کے نزدیک اپنے بندوں کی فلاح وصلاح کے لیئے قواعد وضوابط کا مجموعہ ایک ہی ہے وہ ہے دین اسی ایک دین کی تبلیغ وترویج کے لئے آدم سے لیکر خاتم الانبیاء تک سارے انبیاء آئے سب کا ایک ہی مشن تھا لیقوم الناس بالقسط انسانوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر قیام عدل کی ضرورت کیوں پیش آئی حالانکہ قرآن نے پوری انسانیت کو ایک ہی برادری سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کان الناس امۃ واحدۃ لیکن اسی آیت میں بعثت انبیاء اور اسکی حکمت کو بھی مفصل طور پر واضح کر دیا ہے فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین بشارت دینے والے اور





ڈرانے والے انبیاء بھیجے وہ بھی نبی تھیں وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ ان انبیاء کے ساتھ سچی کتاب نازل کی تاکہ انسانوں کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کریں (البقرہ ۲۱۳) سورۃ مبارکہ حدید کی آیت ۲۵ میں کتاب کے ساتھ میزان کا بھی ذکر ہے لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط ہم نے ان (انبیاء) کے ساتھ نازل کی کتاب اور میزان تاکہ لوگ قائم رہیں انصاف پر۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے الدین النصیحۃ دین نصیحت ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے استفسار کیا نصیحت کس کے لئے تو ارشاد فرمایا (للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم) یعنی دین نصیحت ہے اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اس کی کتاب (قرآن) کے لئے آئمہ مسلمین اور تمام مسلمانوں کے لئے حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے مذکورہ بالا جملہ کے مفاہیم کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے۔

## حکومت

دوسرا لفظ ہے حکومت جس کا مادہ ہے الحکم جس سے مشتق ہے حکم یحکم یعنی فیصلہ کرنا یا حکومت کرنا اسی مفہوم کے ساتھ سورہ مبارک یوسف کی آیت ۴۰ میں ارشاد ہوا ان الحکم الا للہ حکومت تو بس خدا ہی کے لئے خاص ہے۔ قرآن مجید میں لفظ حکم متعدد مقامات پر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

الا لہ الحکم وھو اسرع الحاسبین (الانعام ۶۲)

ان الحکم الا للہ ط علیہ توکلت وعلیہ یتوکل المتوکلون (یوسف ۶۷)

یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ ط و اتینٰہ الحکم صبیا (مریم ۱۲)

ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی (آل عمران ۷۹)

## اہداف

تیسرا لفظ اہداف ہے ہدف کی جمع، یعنی مقاصد یعنی وجہ تشکیل حکومت یا یہ کہ حکومت کی ضرورت کس لئے ہے سب سے پہلے آیئے کہ ہم اپنے خالق حقیقی سے پوچھتے ہیں اے پروردگار تو نے انبیاء کو اپنا نمائندہ بنا کر کس لئے بھیجا تو جواب ملتا ہے لیقوم الناس بالقسط انسانوں کے درمیان انصاف قائم کرنے کے لئے مزید تفصیل کے ساتھ جا بجا مقاصد بیان فرما دیئے۔ بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب ومیزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان انصاف قائم کریں۔

اگر ہم صرف ایک حکومت یا ریاست کی گفتگو کرتے تو بات اور تھی کہ اس کے مقاصد یا اہداف کچھ بھی ہو سکتے ہیں لیکن اسلامی حکومت یا ریاست کی بات ہوگی تو اپنی طرف سے مفروضے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے حاکم حقیقی صرف ذات باری تعالیٰ ہے مذکورہ بالا آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے اگر کسی فرد یا چند افراد کے ہاتھوں میں حکومت آجاتی ہے یا کسی بھی طرح کسی شکل میں بھی اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو وہ فرد یا افراد امین ہیں اگر اس امانت میں خیانت کی راہ سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتا ہے تو اپنا اولین فریضہ سمجھ کر بمصداق

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير يا مرون بالمعروف وينهون عن المنكر

(آل عمران۔۱۰۴)

احکام الٰہی کا پرچار کرنا چاہئے اسلامی حکومت یا ریاست کا فرض رعایا کو صرف کپڑا روٹی اور مکان فراہم کرنا نہیں یہ کام تو ایک لادین حکومت بھی انجام دیتی ہے بلکہ ان کے نزدیک تو صرف یہی ان کی ذمہ داری ہے اسلامی ریاست کا بنیادی فرض اور سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ خالق کی نمائندگی کا حق ادا کرے کائنات میں انسان کو جو مقام عطا کیا گیا ہے اس کے تقاضے پورے کریں اور خلافت الٰہیہ کا جو عظیم منصب عطا ہوا ہے اس کا اپنے آپ کو حقدار ثابت کرے اس میدان میں حاکم کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر احکام خداوندی کا پابند بنائے پھر دوسروں کو اس طرف دعوت دے اس طرح مکمل دین کے قیام کی راہ ہموار کرے اسلامی حکومت کا سربراہ اپنے آپ کو حاکم نہیں سمجھتا بلکہ اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کا ذمہ دار سمجھتا ہے لہٰذا وہ ایک طرف اپنے ذہن کو اقتدار کا نشہ اور دوسروں پر اپنی برتری کے گھمنڈ اور غرور وتکبر سے پاک رکھتا ہے دوسری طرف اپنے آپ کو خالق کے علاوہ رعایا میں سے ہر فرد کے سامنے جوابدہ سمجھتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اپنے رعایا یعنی ماتحتوں کا اور ہر نگہبان سے اس کے رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا اس جذبے کے ساتھ حکومت قائم کرنے والا اپنے آپ کو حاکم سے زیادہ خادم سمجھتا ہے پھر اللہ کے عطا کردہ جملہ وسائل کو خلق خدا کے فائدے کے لئے استحقاق اور اہلیت کی بنیاد پر تقسیم کرتا ہے جب تک کسی حقدار کو اس کا حق اور حصہ نہ پہنچے چین سے نہیں بیٹھتا۔

## حکومت کی ضرورت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کی ضرورت کس لئے ہے کیا انسانی زندگی کے لئے حکومت کا ہونا ناگزیر ہے؟ کیا اس کے بغیر انسان زندگی بسر نہیں کر سکتا؟ اس سلسلہ میں عام طور پر ارسطو کا قول پیش کیا جاتا ہے کہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے وہ تنہا نہیں رہ سکتا مادی ضروریات کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ بہت





ساری باتوں میں دیگر حیوانات کے ساتھ شریک ہے بھوک لگنے پر خوراک تلاش کرنا گرمی سردی دھوپ اور بارش سے اپنے آپ کو بچانا دوست دشمن کو پہچاننا محبت اور نفرت کا اظہار اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل کر رہنا۔ یہ سب فطری خصوصیات ہیں ان میں سے اکثر باتوں میں حیوانات اس کے ساتھ شامل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان فطری مادی ضروریات کو پورا کرنے میں بھی وہ دوسروں سے مختلف ہے اگرچہ انسان بھی دیگر حیوانات کے ساتھ شامل ضرور ہے لیکن وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز ہے وہ کھانا پینا ضرور ہے لیکن کچا نہیں کھاتا بہتر سے بہتر بنا کر استعمال کرتا ہے موسمی حالات وتغیرات سے بچنے کے لئے غاروں میں پناہ نہیں لیتا ایسی جگہ بنا کر زندگی کے لوازمات سے آراستہ کر کے رہتا ہے جہاں پر اسے اپنی ضرورت و دیگر سہولتیں بھی میسر ہوں اس طرح انسانی بستیاں بڑی بڑی آبادیاں اور جنگل نما شہر وجود میں آئے پھر اس کی بے پناہ خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ دوسروں کا محتاج ہوا ضرورت کی ہر چیز خود نہیں بنا سکتا دوسرے ہم جنسوں کی مدد لینے پر مجبور ہوا ہر فرد زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل کرنے کی کوششیں کرنے لگا اس طرح خواہشات آپس میں ٹکرانے لگیں یوں تصادم وٹکراؤ کی صورت میں تنازع للبقاء کے فطری حیوانی عمل کا معاشرہ پر راج ہوا بانٹ اور راج پر عمل ہوا طاقتور نے سب کچھ حاصل کر لیا کمزور کے لئے جینے کا حق ہی باقی نہیں رہا تب قانون کی ضرورت پیش آئی انسان کی اسی فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے خالق نے کتاب ومیزان دے کر اپنے انبیاء بھیجے جو سب کے سب انسان کے فلاح وصلاح کے لئے آئے لیکن انسان کی مفاد پرستی اور خود غرضی آڑے آئی اسی لئے اللہ کے ان صالح بندوں کی قدر کرنے کے بجائے ان کو قتل کیا ویقتلون الذين يا مرون بالقسط من الناس فبشرهم بعذاب اليم اور وہ قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو انصاف کا حکم دیتے ہیں انسانوں میں سے اسی لئے ان کو دردناک عذاب کی خبر دی جاتی ہے (آل عمران ۲۱)

## قیام عدل

اسلامی حکومت کا اہم ترین فریضہ معاشرے میں عدل ومساوات قائم کرنا ہے اس لئے انبیاء کی بعثت کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھیجا تا کہ انسانوں کے درمیان انصاف قائم کریں۔ حکومت اسلامی کا سب سے اہم ترین بنیادی مقصد قیام عدل ہے ہم عدل کا مطلب صرف منصب قضاوت پر بیٹھ کر دو افراد یا فریقوں کے درمیان کسی اختلاف یا باہمی نزاع کو نمٹانا یا فوجداری یا دیوانی قضیے کا فیصلہ کرنے کو عدل یا عدالت کہہ کر محدود کرتے ہیں جب کہ عدل کا مفہوم لامحدود ہے یہ لفظ اس قدر جامع اور وسیع ہے اور اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے کہ یہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی ذاتی اور معاشرتی زندگی پر محیط ہے لفظ عدل کی وسعت اور جامعیت کو سمجھنے کے لئے نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ ارشاد سے بہتر کوئی اور مثال نہیں ہے كلكم راع و

کلکم مسئول عن رعیتہ اس قدر جامع ہے کہ معاشرہ کا کوئی گوشہ کوئی فرد کوئی طبقہ اس سے خارج نہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے سب سے پہلا اور بنیادی یونٹ خاندان ہے اسی لئے سربراہ خانہ کو اس کی مسئولیت کا احساس دلاتے ہوئے صرف کھلانے پلانے اور مادی طور پر خوش رکھنے کی تاکید نہیں کی ہے بلکہ اس کو دنیاوی مادی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ بعد میں آنے والی زندگی کے انجام کا بھی ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایاقوا انفسکم واھلیکم نارا اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ خاندان کی حدود سے نکل کر محلے کی سطح پر پھر شہر اور علاقے کی سطح پر یا کسی ادارہ و تنظیم کی سطح پر کسی انسان کے ہاتھ میں کم یا زیادہ پست یا اعلیٰ جو بھی اختیار آجائے وہ اس کا امین ہے مالک حقیقی خالق کی ذات پاک ہے لہٰذا اسے اس امانت میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرنی چاہیے اسی لیئے سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایاما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی ۔ کسی بشر کے لئے زیبا نہیں کہ اللہ اسے کتاب حکومت اور نبوت عطا کرے پھر وہ اپنی طرف سے لوگوں سے کہدے کہ تم سب میرے غلام بن جاؤ الہٰی حکومت کی روح ہی حریت بشر ہے خالق کی بندگی کا مطلب مخلوق کی غلامی سے مکمل آزادی ہے یہی دراصل انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد ہے چنانچہ سورہ احزاب کی آیت ۴۳ میں ارشاد فرمایا۔

ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور و کان بالمؤمنین رحیما۔ وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے ساتھ اس کے ملائکہ بھی تاکہ وہ (اللہ کا رسول) تمہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالے اور وہ مومنین پر مہربان ہے۔

اسی طرح سورہ حدید کی آیت ۹ میں ارشاد ہوا۔ ھو الذی ینزل علی عبدہ آیات بینات لیخرجکم من الظلمات الی النور ط وان اللہ بکم لرؤف رحیم۔

چونکہ حاکم حقیقی اسی کی ذات ہے سورہ تین آٹھویں آیت میں اور سورہ ہود کی آیت ۴۵ میں اللہ نے اپنی ذات کو احکم الحاکمین کہا ہے کہ دنیا کے سارے حاکموں کا حاکم ۔یعنی اس سے بڑا کوئی حاکم ممکن نہیں کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے حاکم کے جملہ اوصاف پر جس صفت کا غلبہ ہونا چاہیے وہ ہے صفت عدل اس کی ذات سے بڑھ کر کون عادل بن سکتا ہے۔ سورہ مبارک اعراف کی آیت (۸۷) اور سورہ یونس کی آیت (۱۰۹) سورہ یوسف کی آیت (۸۰) میں خیر الحاکمین کہا ہے یعنی اس سے بہتر کوئی حاکم ممکن نہیں انصاف کے لیے قرآن میں قسط اور عدل دونوں استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حکومت اور حاکم کی نسبت سے لفظ عدل استعمال ہوا ہے۔

الغرض قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کے بعد حکومت اس کے نظم ونسق اور مقاصد کو





سمجھنے کے لئے مکمل رہنمائی میسر آسکتی ہے۔

## نتیجہ بحث

اس پوری بحث کا خلاصہ اور نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی حکومت کے اپنے اہداف نہیں ہوتے اللہ کا دیا ہوا قانون جو خالق فطرت نے انسان کی ذاتی قلبی مادی روحانی انفرادی اور اجتماعی ضروریات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر عطا کیا ہے اس کا اجرء و نفاذ اسلامی حکومت کا اصلی اور بنیادی ہدف ہے اسی میں فلاح بشر ہے کہ انسان کی ضرورت کیا ہے اور وہ کس چیز کا حقدار ہے سب سے پہلے عبد و معبود کے باہمی تعلق کو دیکھنا ہے لہٰذا اسلامی حکومت کے فرائض میں سرفہرست واجبات کا قیام اور احیاء ہے اس سلسلہ میں عام دنیاوی حکام کا طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہاں پر حکام کی طرف سے قانون کے نفاذ کا اعلان کیا جاتا ہے دوسروں پر نافذ کرنے کا انتظام و انصرام کیا جاتا ہے قانون نافذ کرنے والے ادارے اور ایجنسیاں تشکیل دی جاتی ہیں قانون موجود ہوتا ہے لیکن عملاً نافذ نہیں ہوتا اس کے برعکس اسلام میں قانون کے نفاذ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حاکم اپنے اوپر نافذ کرکے عمل کرتا ہے جیسے نماز کا حکم آیا تو اللہ کے رسول نے اس طرح اعلان نہیں کیا کہ اللہ کی طرف سے نماز کا حکم آیا ہے تم لوگ اس اس طرح نماز ادا کرو بلکہ پہلے خود عمل کرتے ہوئے دوسروں کو دعوت دی صلوا کما رایتمونی اصلی تم اس طرح نماز ادا کرو جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو اس بات سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام میں حاکم اور رعیت قانون کی نظر میں دونوں ایک ہیں۔

قرآن نے جہاں اسلامی حکومت قائم ہو اس معاشرہ کا نقشہ اور ماحول کس طرح سے پیش کیا ہے سورہ توبہ کی آیت (۷۱) ملاحظہ فرمائیں۔

(مومنین اور مومنات آپس میں ایک دوسرے کے دوست (مددگار) ہوتے ہیں، جو لوگ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول (احکام) کی اطاعت کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے بے شک اللہ بہت عزت وحکمت والا ہے)۔

آخر میں سورہ بقرۃ کی آیت ۱۷۷ ملاحظہ فرمائیں ایک اسلامی حکومت کا اس سے بہتر کوئی منشور نہیں ہوسکتا۔

(نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرتے ہو بلکہ (اصل میں) نیکی تو وہ ہے جو ایمان لائے اللہ، روز آخرت فرشتوں، کتاب اور پیغمبروں پر اور اس کی محبت میں مال خرچ کرے رشتہ داروں، یتیموں محتاجوں، پردیسی اور مانگنے والوں پر اور گردنیں چھڑانے والوں پر اور نماز بجالائے اور زکوۃ ادا کرے وعدہ کرے تو اس کو پورا کریں اور صبر کرنے والے ہوں بیماری فقر وفاقہ پر، اور بہ جنگ میں

ثابت قدم رہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو سچے ہیں اور یہی پرہیزگار لوگ ہیں)۔

میرے خیال میں مذکورہ آیۂ مبارکہ میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس قدر جامع ہیں کہ معاشرہ کے تمام طبقوں اور افراد کے حقوق وفرائض انفرادی اور اجتماعی تمام ذمہ داریاں بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ اگر حاکم اور رعایا اس آیت کو منشور قرار دے کر اسی کی روشنی میں اپنے اعمال کا احتساب کریں تو اسلامی فلاحی مملکت کے قائم ہونے اور کامیاب کامران ہونے میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ ایسی مملکت میں اللہ کی خوشنودی بھی حاصل رہے گی کیونکہ ہر طرف دین الٰہی کا پرچار ہوگا کمزور یا طاقتور ہر ایک کو اس کا حق ملے گا معاشرہ سے برائی کا مکمل خاتمہ ہوگا پورا معاشرہ خیر وبرکت سے معمور ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں ایسی ہی مملکت کے قیام کی تمنا اور آرزو کے لئے برابر دعا کرنے کی تلقین ان الفاظ میں کی ہے یہی ہم سب کی ہمیشہ آرزو ہونی چاہیے۔

(اللھم انا نرغب الیک فی دولۃ کریمۃ تعزبہ الاسلام واھلہ. و تزل بہ النفاق واھلہ. وتجعلنا فیھا من الدعاۃ الی طاعتک ، والقادۃ الی سبیلک ، وترزقنا فیھا کرامۃ الدنیا والاخرۃ)۔

اے اللہ ہم تجھ سے ایسی بابرکت مملکت کی آرزو رکھتے ہیں کہ جس میں اسلام اور اہل اسلام دونوں باعزت رہیں نفاق اور منافقین ذلیل ہوں۔ اور تو (مہربانی فرما کر) ہم کو سرکشی سے اپنی اطاعت کی طرف آمادہ کرے، اور تیرے راستے کے رہبر بنادے اور تو ہمیں دنیا وآخرت دونوں کی عزت وآبرو عطا فرما۔

آمین ثم آمین یارب العالمین





# نادان دل کو مرگ کا اب تک یقیں نہیں

علامہ محمد جعفر شاہ ندوی پھلواری

## عجیب توافق

۱۹۴۷ء میں جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تھا تو جمعۃ الوداع کا دن تھا اور ۲۶ ویں رمضان۔ ستائیسویں شب رمضان کو جسے عام طور پر شب قدر بھی کہا جاتا ہے قیام پاکستان کا اعلان ہوا۔ آج تیرہ سال بعد ۱۹۶۰ء میں اسی چھبیسویں رمضان کو جمعۃ الوداع تھا۔ دن اور رات کا اتصال عین افطار کے وقت ہوا اور ستائیسویں شب رمضان کا آغاز ہوا۔ عین افطار کے وقت ایک مریضہ نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی۔ اور اپنے پینتیس سالہ رفیق زندگی شوہر کا رشتہ رفاقت ہمیشہ کے لیے منقطع کر لیا۔ شوہر کی زبان پر اس وقت بے ساختہ مولانا تمنا پھلواری کا یہ شعر آ گیا

ماہ ذوق فنا تھا صوم یک روزہ حیات<br>
موت کیا آئی ساعت آ گئی افطار کی

اس مرنے والی کا ذکر اس لیے نہیں کر رہا ہوں کہ قدرت نے اس کے لیے بڑی قابل رشک ساعت کا انتخاب کیا۔ عین اسی وقت اور بھی ہزاروں موتیں دنیا میں ہوئی ہوں گی۔ ہمارا جو کچھ مقصد ہے وہ بالکل الگ ہے۔

## انسانی بے بسی

مریضہ سات آٹھ ماہ تک بیمار رہی۔ اسے حلق کا کینسر ہو گیا تھا۔ یہ مرض کم از کم اس وقت تک میڈیکل سائنس کی بے بسی اور ناکامی کا سب سے واضح اعلان ہے۔ سائنس والے اپنے مصنوعی سیارے سورج کے مدار تک پہنچانے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن زمین پر بسنے والوں کے ایک معمولی مرض زکام پر قابو نہ پا سکے۔ انسان کتنا بڑا اقتدار اور پھر کتنا بے بس ہے۔